نسیم اختر

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

استاد، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

اکبر الٰہ آبادی کے نمایاں مذہبی کردار

Nasim Akhtar

Scholar Ph.D Urdu, G.C. University, Faisalabad.

Dr. Rabia Sarfraz

Associate Professor, Department of Urdu, G.C. University, Faisalabad

Prominent Religious Roles of Akbar Alaabadi

Akbar Allahabadi is considered one of those authentic references in Urdu humorous poetry who used their poetry not only for humour but also made their verse a medium for the betterment of the society with their deep observations. Akbar's greatness lies in creating awesome characters without compromising the poetic justice which on the one hand are the source of his poetic humour while on the on the other hand, discussing Akbar warns them that without the discrimination of right and wrong, man connot develop his moral character.

Key Words: *"Authentic, Betterment, Observations, Discrimination.*

اکبر نے اپنے زور بیان اور نکتہ آفرین سے ایسے ایسے موضوعات کو اپنی شاعری کے قالب میں ڈھالا ہے جو اس کے دوسرے ہم عصروں کے ہاں ملنا نہ ممکن ہیں انہیں اپنے عہد کا نمائندہ مزاح نگار کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔[1] جن کا جادو ہر گزرتے عہد کے ساتھ سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

اکبر نے واعظ پر بات کرتے ہوئے زندگی کا حظ اُٹھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ واعظ جو بات کر رہا ہے۔ میں اُس کو تسلیم کرتا ہوں۔ بے شک خدا کو بھول کر صنم کے عشق میں مست پھرنا اور اِن بتوں کے کہنے میں آکر شراب وشباب، سرور ونشاط اور ارکانِ اسلام کی بجا آوری میں سستی کرنا۔ یہ غلط ہی سہی لیکن اگر دل ہی بس میں نہ ہو تو انسان پھر کیا کرے۔ اکبر اس بات کو ظریفانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ مشکل وقت ہے جو دل نہیں ہے میرے کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشادِ واعظ کا بجا ہونا(۲)

اسی طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ واعظ بھی جب میہ خانہ میں جاتا ہے تو لاکھ رُکنے کے باوجود وہ بھی اِس کی زمین پر ٹِک نہیں پاتے اور بالآخر پھسل ہی جاتے ہیں:

میہ خانۂ رفارم کی چکنی زمین پر
واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا(۳)

اکبر کہتے ہیں کہ واعظ کا کیا کام کہ وہ میلوں میں، کوٹھے پر یا میہ خانہ کے قریب سے گزرے یا ان راستوں سے اُن کا گزر ہو۔ وہ تو اپنے عاقبت کے حوالہ سے پریشان رہتے ہیں۔ جبکہ شعراء کو خدا کی رحمت پر یقین کامل ہے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر ایک بھی انسان بحوالہ رحمت جنت میں جائے گا تو وہ حضرتِ شاعر ہیں جبکہ واعظین کا رحمت پہ یقین نہ ہے اور وہ اعمال کے دارومدار پر جنت کے مالک بننے کا خیال خام سجائے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ دخول جنت صرف رحمت ہے مگر پھر بھی وہ اپنے اعمال پر تنے ہوئے ہیں اور غرور کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ غرور اور ریاکاری اللہ کو پسند نہ ہے وہ اپنی زلفوں اور داڑھی پر فخر کرتے ہیں۔ اسی لیے تو اُن کو محبوب کی زلف پیچاں یا گیسوئے پُر خم سے کوئی غرض نہ ہے:

خود اپنی ریش میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا اُن کو بُتوں کے گیسوئے پُر خم سے کیا مطلب (۴)

یعنی اکبر شاعرانہ تعلی سے کام لیتے ہیں۔ اکبر کہتے ہیں کہ یہ حُسن اور ان کے کمال دیکھ کر عوام تو کیا خواص بھی آپے میں نہیں رہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب یہ بُت عیاں ہو کر سامنے آتے تو نیچی نگاہ رکھنا اور ایمان بچائے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ واعظ مجھے تو نظریں نیچی رکھنے کو کہتے مگر اُن کو یہ کوئی نہ کہتا کہ وہ سامنے یوں عیاں ہو کر گھر سے نہ نکلیں۔ اُن کا حُسن ایسا ہے کہ اگر شمعوں کو قوت گفتار مل جائے تو وہ اُن کی توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں اس حُسن کے آگے کسی کو گفتگو کی مجال نہیں جب وہ سامنے آجاتے ہیں تو زبانیں گنگ ہو جاتیں ہیں، واعظین کی کوششیں بجا لیکن جوانی میں بہک جانا کسی کے اختیار میں کب ہوتا ہے۔ اکبر نے بڑی بے رحمی سے انسانوں کے داخلی و خارجی تضاد کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے وہ اس حوالے سے مذہبی کرداروں کو بھی انہیں بخشتے۔ لیکن یہ

بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ وہ حدِ ادب سے تجاوز بھی رواں نہیں رکھتے بلکہ ایک خوبصورت توازن ان کے کلام کے تاروپود میں دیکھا جاسکتا ہے۔(۵)

قریب ختم تھی مجلس کہ آنکلے اِدھر وہ بھی
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائیگاں ہو کر (۶)

یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر (۷)

اکبر اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو اپنی زندگی بے رنگ ہی گزار دیتے اور دل میں گناہوں کی کسک لیے رہتے ہیں۔ اکبر ایسے دوہرے رویے اور منافقت کے قائل نہ تھے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کو سچا اور کھرا ہونا چاہیے۔ پھر چاہے بات حق کی ہو یا باطن کی گناہ بھی کرے تو اتنی ہمت تو ہو کہ اُس کو تسلیم کرے۔ اکبر مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی شخصیت میں رنگینی اور مستی صفات موجود تھیں یہی وجہ ہے کہ وہ یہ امید کرتے ہیں کہ واعظ کا اُن کے بارے میں کچھ ایسا خیال ہو گا:

میری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہو کر
قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہو کر (۸)

اکبر اداؤں سے منہ پھیر کر گزر جانے والے نہ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ گناہ میں رہتے ہوئے بھی اُنہوں نے اپنا دامن گناہ سے بچا کر رکھا۔ مگر ایسا نہ تھا کہ وہ کبھی شباب کے اثرات کو پہچانتے ہی نہ ہوں۔ اُس کی رعنائیوں سے بے خبر۔ اُن کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں آئے ہو تو کچھ موج مستی کرو۔ کچھ زندگی کا لُطف اُٹھاؤ یہ کیا کہ واعظ کی باتوں میں آکر دنیا کے حُسن اور رعنایوں سے منہ موڑ رکھو؟

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سُنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں (۹)

اِسی طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ دل کو بھا جانے کے لیے ضروری نہیں کہ بات کسی اعلیٰ ترین سوچ کی حامل ہو یا کوئی قول زریں ہو بلکہ دل کی پسندیدگی کی بات ہے۔ نہ پسند آئے تو واعظ کی تبلیغ اور ارشاد بھی نہ آئے اور اچھی لگے تو کوئی انتہائی سطحی بات بھی پسند آجائے:

بارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا
دِل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اَچھی (۱۰)

واعظ کو شیطان سے تشبیہ دیتے ہوئے اکبر کہتا ہے کہ محبوب اگر واعظ آپ کے پاس آئے تو کان میں روئی ڈال لو کیونکہ اُس کی بات اثر نہ کر جائے اور محبوب سے ملاقات اُدھوری نہ رہ جائے۔ اصل میں اکبر طنزیہ رنگ میں واعظ و ناصح کی اصلیت آشکار کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں جانے دیتے یہی چیز انہیں دوسرے ہم رنگ شاعروں سے جدا کرتی ہے۔ (۱۱)

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اُسی کی بات خاموش رہو (۱۲)

اکبر یہ کہتا ہے کہ واعظ بھی دل رکھتا ہے۔ دل میں سوز، محبت، التفات اور کشش موجود ہے۔ مگر خاموش اس لیے ہے کہ دنیا کیا کہے گی۔ اُن کے خیال میں اس حسن میں اتنا دم ختم ہے کہ کوئی بھی اس کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے نہیں گزر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

واعظ کا دِل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے
چُپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے (۱۳)

اکبر یہ کہتے ہیں کہ اب واعظین بھی تھیٹر دیکھنا شروع ہو گئے ہیں تو وہ بہشت کی حور کا جلوہ کیا دکھائیں گے۔ بلکہ وہ تو خود تھیٹر کی پیروی کو دیکھ کر تڑپنے لگتے:

کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوہ حور بہشت
جب کہ تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا (۱۴)

مطلب بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ واعظین بھی اب برائے نام ہی اسلام پر عمل پیرا ہیں۔ بلکہ تھیٹر دیکھتے ہیں۔ داد دیتے ہیں اور لوگوں کو اس سے روکنے کی بجائے با قاعدہ دعوت دیتے ہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ واعظ بھلے ہی اچھا شخص ہے مگر ذرا بے وقوف ہیں۔ کیونکہ وہ موقع کی نزاکت کو نہیں سمجھتے اور ہر جگہ واعظ و نصیحت شروع کر دیتے ہیں۔ مگر کچھ شک نہیں کہ اِس وجہ سے لڑائی کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے:

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ روایات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں (۱۵)

حالی نے غالب کو حیوان ظریف کہا ہے[۱۶] جبکہ میرے خیال میں اکبر کے لیے یہ لقب زیادہ معتبر ہو گا۔ کیونکہ اکبر کی جبلت میں ظرافت حد درجہ موجود ہے۔ وہ ہر بات میں مزاح کا پہلو ڈھونڈ لیتے ہیں اور اِس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ جیسے کوئی مرصع ساز نگوں کو اُس کی درست جگہ پر جڑتے ہوئے ایک خوبصورت ہار تیار کرتے ہیں:

خلافِ بے خودی کیوں ہے یہ وعظِ حضرت واعظ
خودی ہی کو نہیں سمجھا میں اب تک بے خودی کیسی[۱۷]

اکبر نے اپنے طنز و مزاح سے معاشرے کی اصلاح کا کام کیا اور ہر قسم کے سیاسی، سماجی اور ادبی نظریات کی کمیوں کو نشانہ تمسخر بنایا انہیں جہاں بھی بے اعتدالی پا کی نظر آئی انہوں نے طنزیہ و مزاحیہ انداز میں اس کی نشاندہی کی ہے۔ یہی رنگ وہ اپنے مذہبی کرداروں کے حوالے سے اختیار کرتے ہیں۔[۱۸]

اکبر نے اپنی شاعری میں مختلف کردار تخلیق کیے اور اِن کے ذریعے مزاح پیدا کیا۔ ان میں شیخ کا کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس کردار کو اُنھوں نے بہت ہی زیادہ استعمال کیا ہے۔ کہیں وہ شیخ کو پیسہ نہ ملنے پر طنز کا نشانہ بناتے ہیں تو کہیں شیخ صاحب کو مے پلانے کی بات کرتے ہیں:

ساغر مئے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مردِ خدا چڑھا بھی جا[۱۹]

یعنی شیخ اب مسجد و منبر کو چھوڑ کر مے خانوں میں جا لیتے ہیں۔ لیکن وہاں پر اُن کو اپنا ایمان اور بزرگی کا خیال بھی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ شراب پیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ شرماتے ہیں اور خوفِ خدا بھی آتا ہے مگر گناہ کی۔ اِس دلدل میں بہتے ہوئے اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نازنیوں کا دل رکھنے کے لیے جام چڑھانا ہی پڑتا ہے، اسی طرح وہ شیخ کو ہال میں نچواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا۔ حالات بدل گئے۔ وقت کی ضرورت بدل گئی:

کیسی نماز ہال میں ناچو جنابِ شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا[۲۰]

اُردو ادب کی روایت میں شیخ کا کردار بڑے تقدس اور احترام سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر اکبر نے اُس خاص راستے کو بدل کر اسی میں مزاح پیدا کر دیا کسی فنکار کے کمال فن کا نتیجہ ہی ہے کہ وہ کسی اعلیٰ وارفع شخصیت کے کردار میں مزاح کا عنصر نکال لیے اور وہ بُرا بھی نہ لگے:

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھے آ کے بزم سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا بُرا گناہ کرنا[۲۱]

یعنی شیخ کو یہ بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جب کوئی محفل جمی ہو اور دوستوں میں بے تکلفی آ جائے تو محفل سے اُٹھ کر جانا آداب محفل کے خلاف ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ ایسے حالات میں گناہ بھی کرنا پڑے تو کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ رب دشمنی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ شیخ اس سے تنگ آ کر گوراتک پہنچ گئے ہیں اور قوم تفسیر و فکر کو چھوڑ کر کالج میں فلاح سمجھنے لگے۔

شیخ در گوبر و قوم در کالج
رنگ ہے دورِ آسمانی کا[۲۲]

یوں وہ شیخ کا مختلف انداز میں ٹھٹھہ بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بادہ فروش مِس کی نگاہ ایسی مستی بھری ہے اُس کے ایسے رنگ ہیں کہ جن کو دیکھ کر شیخ بھی اپنے ایمان پر قابو نہیں رکھ پاتے۔ بلکہ شیخ میں جو ان کے رنگ ڈھنگ نظر آنے لگتے ہیں:

"وہ (اکبر) اپنے طنزیہ اشعار میں شیخ و ملا کے دوہرے رویوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انہیں ظاہر و باطن کا ڈھونگی ثابت کرتے نظر آتے ہیں ایسے اشعار میں ان کا انداز سخن تلخی کی حد تک سخت محسوس ہوتا ہے۔"[۲۳]

کیا غضب ہے نگہ مست مِس بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگ جوانی پیدا[۲۴]

وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب میری چشم مست پر صرف مجھ سے پرست کوئی وجد نہیں آتا۔ بلکہ زاہد اور شیخ بھی کسی کی لپیٹ میں ہیں شیخ کو کبھی کونسل میں شرکت کی دعوت مل جاتی ہے تو اس سے مراد عزت دینا نہیں بلکہ اُن کے فاقہ کش چہرے کو میک اپ کے پیچھے چھپا دیا گیا ہو، بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ شیخ صاحب اس محفل میں دیر تک نہیں رہ سکتے کیونکہ صبح تک خضاب کا رنگ اُڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے:

چل دیئے شیخ صبح سے پہلے
اُڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ[۲۵]

وہ شیخ و براہمن کی دوستی کا حال جانتے ہیں کہ یہ دونوں اپنے اپنے مذہب کے معتبر لوگ ہیں اسی لیے ان کی دوستی ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کہتے ہیں:

شیخ صاحب براہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو صندر سے ٹکا ملتا نہیں (۲۶)

بقول ڈاکٹر نصرت علی صابری:

"طنز کے اصلاحی نشتر کلامِ اکبر کا سب سے طاقت ور اظہاری انداز ہے جس سے شیخ، ملا اور برہمن کوئی بھی نہیں بچ سکا لیکن یہ طنز برائے حقارت ہر گز نہیں بلکہ برائے اصلاح ہے اس لیے اس کے اثرات مثبت اور نتائج خیر پر مبنی ہیں۔" (۲۷)

شیخ سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ گیا ہے کہ وہ بھی اَب خضر کی طرح راستے میں چھوڑ کر خود آبِ زم زم کی طرف چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی لوگون کو امام باڑے میں چھور کر خود تھیٹر پہنچ جاتے ہیں مگر جب دیکھتے ہیں تو لیکچر پر بھی وجد میں آنے لگتے ہیں۔ وہ درس دیتے ہیں کہ مذہب پر قائم رہو۔ دیں کو مست چھوڑو پھر بھلے اُس کا ماننے والا کوئی اور ہو کہ نہ ہو۔ دین کے بارے میں یقین کامل کی بات کرتے رہو۔ پھر تمہیں اِس پر یقین ہو کہ نہ ہو:

اکبر اگر چہ معاشرہ اور اصلاح قوم کی غرض سے تلخ اسلوب اختیار کرتا ہے مگر کبھی کبھی ان کے یہ اندازِ بیان اذیت ناک رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ (۲۸)

یعنی شیخ جی کے اعمال اس کے ہو چکے ہیں کہ اب شیطان بھی اُن سے نہیں ڈرتا بلکہ اُن کو دیکھتے ہوئے شیطان بھی لاحول پڑھتا ہے رشت کا بازار اس مقام پر ہے کہ سرکاری عہدے دار تو در کنار شیخ صاحب بھی سوٹوں اور نوٹوں پر بک جاتے ہیں۔ پہلے تو اُن کا انداز یہ تھا کہ اگر کوئی بات خلافِ دیں آجاتی تو اُن کو غصہ آجاتا اور وہ فوراً ایسے شخص کو خود سے دور کر دیتے مگر زمانے کے ساتھ ساتھ وہ اِس قدر بدل گئے ہیں کہ اب شیطان کو بھی اُن سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ انسانی ضرورتیں اور احتیاج بڑے بڑے دین داروں کو اپنے نظریات کی نفی کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں یہی حال برہمن، شیخ و ملا اور زاہد کا ہے اکبر نے اپنی شاعری میں اس نکتہ کو تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے ہر جگہ ان کا انداز طنزیہ مگر اصلاحی رنگ لیے ہوئے ہے۔ (۲۹)

شیخ جی پر یہ قولِ صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں (۳۰)

سُنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ کاٹیں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں(۳۱)

اکبر کہتے ہیں کہ جب تعلیم اور نظام تعلیم بدل گیا ہو کہ بوستان کی جگہ انگریزی لٹریچر نے لے لی ہو اور اسلامی تاریخ کی بجائے ہٹلر پڑھایا جائے۔ سعدیؒ کی جگہ شیکسپیئر لے لے اور فقہ و تفسیر کی بجائے انجیل کی تعلیم عام ہو۔ تو ایسے حالات میں کوئی اللہ کا نام لے یا دین کی تبلیغ کرے یا دینی تعلیم کی بات کرے تو لوگ اُس کے خلاف تھا نوں میں رپٹ ہی لکھوائیں گے نہ اُس سے متفق تھوڑی نہ ہوں گے۔ اب ایسی حالت میں شیخ اگر یہ کہے کہ ہمیں وہ لوگ کیوں نہ قتل کریں جو ایمان بیچ کر اپنی ناک کٹوا چکے ہیں یا اگر کوئی شراب پینے کی غلطی کرے تو اِس پر اُس کی سرزنش نہ کی جائے کیونکہ اب وہ تعلیم ہی نہیں رہی جو گناہ سے یا شراب کو بُرا کہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اِس دور میں شیخ کی وہ عزت اور وقعت نہ رہی کہ جب آدمی بزرگ ہو جائے تو اِس کا خاندان اُس کا مزاق اُڑانا شروع کر دیتا ہے اور اُس کی بات پہ کان نہیں دھرتا لیکن ایسی صورت میں محلے یا کمیٹی کے لوگ تو اُن کو عزت دیتے ہیں کیونکہ وہاں پر اُنہیں کی عمر کے لوگ موجود ہوتے ہیں:

محلے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی میں ہی جا کر کود اُچھل آیا(۳۲)

اکبر کہتا ہے کہ زمانے کو دیکھ دیکھ کر شیخ بھی اب وہی انداز اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کبھی پیانوں بجاتے ہیں تو کبھی محفل میں شراب پی لیتے ہیں اور وہی انداز اختیار کر رہے ہیں جو عام دنیادار لوگ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب انقلاب ختم ہو گئے ہیں اور شیخ بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا اور نہ ہی اُن کا ادب اُس انداز میں رہ گیا ہے جیسا پہلے تھا۔ شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں۔ اب تو ہم مصلحتاً اُن کا ادب کرتے ہیں:

شیخ کی ہے جو خود فروشی کروں کہاں تک میں عیب پوشی
یہ اتنی دنیا سے گرم جوشی حرم میں گھر ہیں کہ شاپ میں(۳۳)

اکبر متحدہ ہندوستان کے حامی تھے وہ برِاعظیم کی تقسیم نہ چاہتے تھے اسی لیے ان کی شاعری میں جگہ جگہ انسان دوستی ہندو مسلم اتحاد، شیخ و برہمن کی دوستی اور مسجد کلیسا کا اپنا اپنا تقدس اور احترام تو مقصود ہے مگر لڑائی اور تصادم سے دور بھاگتے ہوئے نظر آتے، زبان میں بھی تبدیلی کو یا اختلاف کو وہ بہت بڑا نہیں مانتے بلکہ اس جھگڑے کو بھی وہ عام اور سطحی مانتے اور اسے ختم کرنے کے لیے بلکہ الفاظ کی بجائے معنی پر زور دیتے۔ اکبر کا مزاح انسان دوستی

اور بلا تفریق عزت واحترام کے فروغ کی ترویج لیے ہوئے ہے وہ مذہب و مشرب کی قید کو انسانی تقسیم کے لیے نہ سمجھتے تھے بلکہ مذہب تو دوسروں سے محبت کرنا سیکھاتا ہے اس وضع کے اشعار ان کی کلیات میں کثرت سے پڑھنے کو مل جاتے ہیں جہاں متنوعِ رنگ سخن سے شاعر نے اپنے خیالات و نظریات کا اظہار کیا ہے۔(۳۴)

اے براہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا(۳۵)

ان اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکبر کو برہمن سے اختلاف ہے مگر رسوم وروایات اور اتحاد، بین الہند کے وہ حامی ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر وہ نگاہ پر سب کچھ اڑا دینے کی بات کرتے ہیں:

کر گئی کام نگاہِ میں پر فن کیسا
تج چلے دہر و حرم شیخ و برہمن کیسا(۳۶)

ثابت ہوا کہ وہ کبھی کسی ایک مذہب کی وجہ سے اختلاف میں نہیں پڑتے بلکہ ہر مذہب کی آواز اور عبادت کو ٹھیک سمجھتے ہوئے اختلاف کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور دوستی کی مثال بننا چاہتے ہیں۔

لیکن وہ چونکہ اپنی ظرافت سے مجبور ہیں اسی لیے ہر بات میں مزاح پیدا کرتے ہیں اب اسی بات کو لیجئے کہ اتنا بڑا سچ عہد الست والا بھی ان کے لیے مزاح کی بات ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ان کے سامنے اس وقت برہمن کا بیر ہوتا تو شاید وہ اس حقیقت سے بھی یا اس عہد سے بھی انکار کر دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ شعر میں اکبر کو ایسے مضمون لاکر جس سے دوستی پیدا ہو نہ کہ اختلاف۔

ڈاکٹر رفیع ظفر اکبر کے فن پر بات کرتے ہوئے لکھتی ہیں اکبر کی تمام نظموں میں موضوعات کی ایک دنیا آباد ہے ان نظموں میں خالص سنجیدگی بھی ہے اور طنز و ظرافت کی چاشنی اور ترشی بھی۔ ان نظموں سے اکبر کے ذہن کو خوب اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔(۳۷)

شیخ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
بت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے(۳۸)

اکبر اس بات کے قائل ہیں کہ جس سے محبت کی جائے اس کا قول و فعل نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ محبوب کا مذہب، اس کی محبت پہ غالب آنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ وہ عہد ہے جن میں نہ تو شریعت کی، نہ طریقت، نہ ہی محبت

کی کوئی پابندی ہے بلکہ جس کا جو جی چاہتا ہے وہ دوسرے پر تہمت لگا دیتا ہے، یہ دنیا مصائب کا گھر ہے اور وہی شخص خوش نصیب ہے صبر کی دولت رکھتا ہے لیکن بات وہی ہے کہ محبوب کا در کعبہ و کلیسا سے بلند مقام رکھتا ہے:

شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں تیرے مار کے یہ سن بیٹھا(۳۹)

اکبر ہر بات میں اتنا ہی مطمئن ہیں جتنا کہ ہند کا کوئی عام اور سطحی نظر والا شخص جو دین سے دور ہو۔ انہیں نہ تو اس بات سے کوئی غرض ہے کہ مسلمان کعبہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نہ اس سے کہ کافر بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پرشاد یا مٹن پیٹ میں جاتے ہیں اور پیٹ کسی مذہب سے ہے نہ ہی کسی قوم سے بلکہ اس کا ایمان تو صرف کھانا ہے وہ جس مذہب سے آئے یا جس طریق سے آئے۔ اسے تو غذا سے غرض ہے وہ شکر کی ہو یا پرشاد کی:

کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی
دل نے کہا کہ پوچھے ہوئے کھول کے کھالے(۴۰)
اِدھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو
برہمن کو ادھر الجھا ہوا زنار میں دیکھا(۴۱)

یعنی جب وہ بت کافر سامنے آتا ہے تو شیخ کو اپنا ایمان بچانا مشکل ہو جاتا ہے اور برہمن اپنے دین سے پھرنے لگتا ہے ایسے حالات میں اکبر جیسا انسان جو کہ محبت سے التفات بھی رکھتا ہے اور کفر سے انکار بھی نہیں کرتا۔ اُن کو پھر شیخ تسبیح دیں یا وہ برہمن کی زنار پکڑے ہوئے ہو۔ ڈاکٹر رفیع ظفر اکبر کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتی ہیں:

> "دیر، حرم، کافر، مسلمان، شیخ، برہمن، ندامت، دریائے رحمت، حق، باطل، اند مشرب، درویش کامل انہیں الفاظ کے مروجہ خزانے سے وہ رعایت برتتے ہوئے ایسے روایتی موضوعات، گناہ، ثواب، ہستی بے اختیار، عقیدت و محبت، مذہب، وحدت الوجود اور فلسفۂ حسن و عشق وغیرہ پر اظہارِ خیال کرتے چلے جاتے ہیں۔"(۴۲)

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکبر کی شاعری اور اس کے مذہبی کرداروں نے طنز و ظرافت کی ایسی دنیا آباد کر دی ہے جس کا ہر فرد لذت و لطف سے ہمکنار ہے وہ معاشرتی و تہذیبی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شعر کے قالب میں ایسے ایسے پر مغز مضامین ڈھالتے ہیں کہ قاری کھلکھلا اٹھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ زکریا، خواجہ محمد، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۰

۲۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ترتیب نو، یوسف مثالی، لاہور: آر۔ آر پرنٹرز، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵

۳۔ ایضاً، ص ۳۱

۴۔ ایضاً، ص ۴۲

۵۔ شہزاد علی ناصر، اکبر کی مزاحیہ شاعری، کراچی: صبح نو پبلشرز، ۱۹۸۶ء، ص ۶۷

۶۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۴۶

۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۸۔ ایضاً، ص ۴۸

۹۔ ایضاً، ص ۶۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۱۔ شہزاد علی ناصر، اکبر کی مزاحیہ شاعری، ص ۱۰۹

۱۲۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۱۶۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۴۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۵۱

۱۶۔ حالی، الطاف حسین، یادگار غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۹

۱۷۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۳۸۲

۱۸۔ فاطمہ زہرہ، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ شاعری، دہلی: آفاق پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۷

۱۹۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۲۵

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۸
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۳
۲۲۔ ایضاً، ص ۳۷
۲۳۔ فاطمہ زہرہ، ڈاکٹر، اُردو کی مزاحیہ اشعری، ص ۲۱
۲۴۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۳۸
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۹
۲۶۔ ایضاً، ص ۴۰
۲۷۔ نصرت علی صابری، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۳
۲۸۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۵۹
۲۹۔ بلقیس الیاس، ادب اور اصناف ادب، لکھنؤ: سویرا پبلشرز، ۱۹۷۸ء، ص ۱۲۶
۳۰۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۶۴
۳۱۔ ایضاً، ص ۷۳
۳۲۔ ایضاً، ص ۲۳۱
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۴۱
۳۴۔ بلقیس الیاس، ادب اور اصناف ادب، ص ۱۳۹
۳۵۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، ص ۲۵۲
۳۶۔ ایضاً
۳۷۔ افصح ظفر، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی ایک سماجی و سیاسی مطالعہ، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۰۲
۳۸۔ اکبر الہ آبادی، ص ۲۶۳
۳۹۔ ایضاً، ص ۲۴۸
۴۰۔ ایضاً، ص ۲۷۸
۴۱۔ ایضاً، ص ۲۸۶
۴۲۔ رفیع ظفر، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی ایک سماجی و سیاسی مطالعہ، ص ۵۷